بسم اللہ الرحمن الرحیم نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

محدث

دہلی

جلد ۳ | ماہ جولائی ۱۹۳۵ء مطابق ربیع الثانی ۱۳۵۴ھ | نمبر ۳

تفسیر سورۂ فاتحہ

مولوی محمد سلیمان صاحب صدیقی ہسنیاوی

ایک بہت بڑے اطالوی عالم نے اعتراض کرتے ہوئے کہا کہ قرآن کے اسرار اور اس کی تاثیر اس سورۂ فاتحہ میں مکنون و مضمر ہے جو نہایت ہی مجمل و پاکیزہ ہے لیکن مسلمانوں نے کثرت تلاوت کی وجہ اس کی تاثیرات کو ضائع و رائگاں کر دیا ہے میں اس کے جواب میں کہونگا کہ اس شخص نے اپنے قول کے پہلے حصہ (قرآن شریف کے اسرار اور اس کی تاثیر سورۂ فاتحہ میں مضمر ہے) میں بالکل صحیح اور نفس الامر کے مطابق کہا لیکن دوسرے حصہ (مسلمانوں نے کثرت تلاوت کی وجہ سے اس کی تاثیر کو برباد کر دیا ہے) میں غلطی اور وہم کا شکار ہوگیا ہے کیونکہ اس سورہ کی مثال مشک جیسی ہے جیسا کہ مشک بار بار سونگھنے سے اس کی خوشبو میں کمی نہیں آتی بلکہ اور بعض کتی ہوئی ظاہر ہوتی ہے اور مشام جان کو معطر کر دیتی ہے ایسے ہی اس سورہ کی مکرر تلاوت سے اس کی شیرینیت اور خوبصورتی میں کمی نہیں واقع ہوتی بلکہ اس میں مزید حسن پیدا ہوتا ہے اور اس میں نظم و نثر جیسی نزہت و ملاحت نہیں پائی جاتی ہے جو تکرر سے زائل ہو جائے بلکہ یہ تو پانی و ہوا کے مانند ہے کہ جس طرح تکرار استعمال سے ان دونوں کے فوائد زائل نہیں ہوتے ایسی ہی اس سورہ کی تاثیر کثرت تلاوت کی وجہ سے باطل نہیں ہوتی کیونکہ یہ اپنے دامن میں اس حمد و شکر کو چھپائے ہوئے ہے کہ جس کا ظہور بنی نوع انسان سے ہر لمحہ و ہر لحظہ ہونا چاہیے اس لئے کہ حمد و شکر کا تعلق نعمتوں کے ساتھ وابستہ ہے اور نعمتوں کا فیضان مبدء فیاض سے ہر وقت ہوتا رہتا ہے مثلاً انسان جب کھلی ہوئی ہوا میں سانس لیتا ہے اور کشادہ فضا میں اپنی نظروں کو سیر کراتا ہے اور اس سے اپنی روح کو تازگی اور آنکھوں کو ٹھنڈک پہنچاتا ہے تو اس پر واجب ہو جاتا ہے کہ ان العامات غیر منفکہ کے

غرض حمد وشکر اپنی زبان سے ہمیشہ جاری رکھے اور استمرار حمد ویسے ہی قائم رکھے جیسے کہ فیضان نعمت جب یہ معلوم ہوگیا کہ نعمتوں کی بارش ہمیشہ ہوتی رہتی ہے نیز یہ بھی ظاہر ہوا کہ فیضان نعمت کو حمد لازم ہے اور یہ سورہ حمد وشکر پر محتوی ہے تو نتیجہ یہ نکلا کہ اس سورہ کی تلاوت ہمیشہ کرنی چاہیے اور دوام تلاوت سے اس کی ملاحت و فوائد میں کمی نہیں واقع ہوتی ہے جیسا کہ نعمتوں کے دوام فیضان سے اس کے فوائد باطل نہیں ہوتے ہیں اور نیز یہ سورہ اپنی آغوش میں ایاک نعبد وایاک نستعین کو لیے ہوئے ہے کہ جس کی طرف انسان ایسے ہی محتاج و مفتقر ہے جیسا کہ مچھلیاں پانی کی طرف نیز اس سورہ میں اھدنا الصراط المستقیم جیسے پیارے الفاظ موجود ہیں کہ جس کی طرف انسان سفر حضر چلنے پھرنے اور اپنی زندگی کو خوشگوار بنانے اور آخرت کو سدھارنے میں محتاج ہے +

اللہ تعالیٰ نے اس سورہ کو حمد کے ساتھ شروع کر کے اس بات کی طرف اشارہ کیا ہے کہ وہ صرف صفت قہاریت و جباریت ہی کے ساتھ متصف نہیں ہے بلکہ وہ محمود بھی ہے بہترین محامد کے ساتھ ذکر کیا جاتا ہے پھر کہا رب العالمین (پوری آیت کا ترجمہ یہ ہوا سب تعریفیں اسی ذات کے لئے ہیں جو تمام عالم کا پرورش کرنیوالا ہے) یہ ایسی صفت ہے کہ جس کے مظاہر واثرات کو بنی نوع انسان اپنی ہر لمحہ زندگی میں پاتا ہے اور اسی صفت ربوبیت کا ظہور انسان اپنے والدین کے وجود گرامی اور اپنے کھانے پینے پہننے اوڑھنے سونے جاگنے وخون گوشت ہڈی وآنکھ کان اور اپنی پیدائش میں پاتا ہے اسی صفت ربوبیت کے مظاہر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے سَنُرِيهِمْ آيَاتِنَا فِي الْآفَاقِ وَفِي أَنفُسِهِمْ حَتَّىٰ يَتَبَيَّنَ لَهُمْ أَنَّهُ الْحَقُّ یعنی عنقریب ہم اپنی نشانیاں ملکوں اور ان کی جانوں میں دکھلائیں گے جس سے ان پر واضح ہو جائے گا کہ یہ قرآن ومذہب اسلام حق ہے۔ اور اسی مضمون کی متعدد آیتیں قرآن مجید میں ذکر کی گئی ہیں مثلاً ایک جگہ کہا گیا ہے اَوَلَمْ يَتَفَكَّرُوا فِي أَنفُسِهِمْ یعنی کیا وہ اپنے نفسوں میں غور وفکر نہیں کرتے ہیں دوسری جگہ ہے الَّذِي أَحْسَنَ كُلَّ شَيْءٍ خَلَقَهُ وَبَدَأَ خَلْقَ الْإِنسَانِ مِن طِينٍ یعنی خدا کی وہ ذات ہے کہ جس نے اپنی تمام مخلوقات کو اچھی شکل میں پیدا کیا ہے اور انسان کی تخلیق کی ابتدا مٹی سے فرمائی ہے غرض کہ بنی نوع انسان خداوند تعالیٰ کی تمام صفات ربوبیت سے جو ظاہر وباہر ہیں غافل ہو جاتا ہے مگر وہ مبدء فیاض اپنی ربوبیت کے اظہار میں کوتاہی وغفلت سے کام نہیں لیتا ہے بلکہ ہمیشہ اس کی نعمتوں کا فیضان ہوتا رہتا ہے جو اس کی صفت ربوبیت کو ظاہر کرتی رہتی ہیں علاوہ ازیں انسانی وجود خود اس کی ربوبیت پر بہت بڑی دلیل ہے جو زبان حال سے پکار پکار کر کہہ رہا ہے کہ اس کا خالق وپرورش وپرداخت کرنیوالا کوئی ضرور موجود ہے سب سے بڑھکر واضح دلیل خدا جل وعلیٰ کی ربوبیت پر دلالت کرنے والی ماں کا اپنی اولاد کی پرورش وپرداخت اور بالطبع بغیر جبر واکراہ کے غایت درجہ کی محبت وشفقت کرنی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ماں کو ایک آلہ وواسطہ بنایا ہے کہ جس کے ذریعے سے انسان کی عالم شیر خوارگی میں پرورش وپرداخت کرتا ہے اور شیئاً فشیئاً روز افزوں بڑھاتا ہوا عالم شباب کو پہنچاتا ہے اس آیت میں رب العالمین فرمایا گیا اور رب المسلمین نہیں کہا گیا ہے جس سے اسلام کی بہت بڑی خصوصیت ظاہر ہوتی ہے کیونکہ کسی مذہب کی کتاب ولٹریچر میں ایسے الفاظ نہیں پائے جاتے ہیں جو اللہ رب العزت کی ربوبیت عامہ پر دلالت کرنے والی ہوں اسی پیارے کلمہ نے بہت سے اُن یورپین منصف مزاجوں کو

حیرت وتعجب میں ڈال رکھا ہے کہ جنہوں نے جنسیت وقومیت وطنیت وغیر وطنیت کا امتیاز قائم کرکے بنی نوع انسان کو آپس میں تفریق وتقسیم کردی ہے بلکہ معبودوں وخداؤں کو بھی منقسم کر رکھا ہے یعنی سفید کھال والوں کا خدا سیاہ چمڑے والوں کے خدا سے علیحدہ ہے بادشاہ اور مہذب وتعلیم یافتہ لوگوں کا معبود غلاموں اور غیر مہذب وجاہلوں کے معبود سے جداگانہ ہے اگرچہ ان عقائد کا اظہار اپنی زبانوں سے نہیں کرتے ہیں مگر ان کے روزمرہ کے معاملات وافعال زبان حال سے پکار پکار کر کہہ رہے ہیں۔ میں نے بعض اُن یورپین علماء سے جو نئے نئے آغوش اسلام میں داخل ہوئے ہیں سنا ہے وہ فرماتے تھے کہ ان کی رہنمائی اسلام کی طرف محض اس کلمہ رب العالمین نے کی ہے کیونکہ اس کلمہ میں وہ جاذبیت ودیعت رکھی گئی ہے جو انسانی قلوب میں داخل ہوتے ہی بنی نوع انسان کو اسلام کی طرف کھینچ لاتی ہے اس کلمہ میں رب کی اضافت عالمین کی طرف کی گئی ہے اگر بجائے اس کے رب الشعوب یا رب الاقالیم کہا جاتا تو وہ رنگینیت وکشش نہ ہوتی جو موجود ہے نیز اس کلمہ میں اسقدر وسعت وکشادگی ہے کہ آج جسقدر عالم موجود ہیں اور جو اس کے بعد ظاہر ہوں گے سبھوں کو شامل ہے حتیٰ کہ اگر سیارات کے اندر دنیا وآبادی اور مخلوقات کا وجود ثابت ہو جائے تو اس کو بھی یہ رب العالمین (تمام جہان کا پرورش کرنے والا) محتوی وشامل ہے جیسا کہ قرآن پاک میں فرمایا گیا ہے قَالَ فِرْعَوْنُ وَمَا رَبُّ الْعَالَمِيْنَ قَالَ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَآ اِنْ كُنْتُمْ مُّوْقِنِيْنَ ۝ یعنی فرعون نے موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام سے سوال کیا ہے کہ اے موسیٰ رب العالمین کون ہے تو موسیٰ علیہ السلام نے جواباً فرمایا کہ جو رب ہے آسمان وزمین اور جو کچھ ان دونوں کے مابین ہے اگر تم یقین کرنے والے ہو دوسری جگہ فرمایا وَمِنْ اٰيٰتِهٖ خَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ یعنی آسمان وزمین کی پیدائش خدا کی نشانیوں سے ہے۔ رئیس المفسرین حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے رب العالمین کی تفسیر یوں کی ہے کہ رب العالمین وہ ذات پاک ہے جو تمام آسمان وزمین اور جو کچھ ان دونوں میں ہیں عام ازیں کہ ظاہر ہو یا پوشیدہ سب کا معبود ہے پھر اس سورہ کو الرحمٰن الرحیم مالک یوم الدین (وہ خدا بخشش کرنے والا مہربان اور قیامت کے روز کا مالک ہے) ان آیتوں (الحمد للہ رب العالمین الرحمٰن الرحیم مالک یوم الدین) کو بصیغہ غائب لایا گیا ہے پھر اس کے بعد بصیغہ خطاب ایاک نعبد وایاک نستعین (ہم خاص کر تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور صرف تجھی سے مدد طلب کرتے ہیں فرمایا گیا ہے اس سے اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ جب بندہ خدا تعالیٰ کو اس کے مہتم بالشان صفات کے ساتھ بصیغہ غائب ذکر کرتا ہے تو گویا خدا کی ذات تمام ذوات سے متمیز ہو کر اس کے نزدیک حاضر ہو جاتی ہے اور وہ شخص حاضر تصور کرکے کہتا ہے اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ ۝ اس مرتبہ پر پہنچنے کا نام حدیث میں احسان رکھا گیا ہے جسکو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی زبان مبارک سے یوں فرماتے ہیں اَنْ تَعْبُدَ اللّٰهَ كَاَنَّكَ تَرَاهُ فَاِنْ لَّمْ تَكُنْ تَرَاهُ فَاِنَّهٗ يَرَاكَ ۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی عبادت اس طریقہ سے کرو کہ تم اس کو دیکھ رہے ہو اگر تم کو اس مرتبہ عالیہ پر رسائی نہ ہو تو یہ خیال رکھو کہ وہ تم کو دیکھ رہا ہے اسی حدیث کا دوسرا حصہ (فان لم تکن تراہ فانہ یراک) کا مصداق الحمد للہ سے مالک یوم الدین تک پایا جاتا ہے اور اس کا پہلا حصہ (ان تعبد اللہ کانک

تراہ) کا مصداق علیہ ایاک نعبد وایاک نستعین ہے اور یہ آیت اپنے دامن میں غایت درجہ کی توحید اور انتہا درجہ کا اخلاص رکھے ہوئے ہے جس شخص کا قلب اس توحید واخلاص مخزونہ کی روشنی سے منور ہو جائیگا تو پھر اس کے دل میں شرک وریا کی تاریکی داخل نہیں ہو سکتی چنانچہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ سخت تعجب ان نمازیوں پر ہے جو ان پاکیزہ کلمات کو روزانہ مکرر سہ کرر اپنی زبان سے ادا کرتے ہیں باوجود اس کے ہر روز اس کی مخالفت کرتے اور اس آیت کے ماتحت اپنے اعمال کی اصلاح ودرستگی سے غافل رہتے ہیں اور امداد طلبی وفریادرسی کے لیے اپنے ہاتھوں کو قبروں کے آگے پھیلاتے اور جبین نیاز کو مقابر واصنام کے آگے خم کرتے ہیں ایسے ہی غافل نمازیوں کے متعلق قرآن نے فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّينَ الَّذِينَ هُمْ عَن صَلَاتِهِمْ سَاهُونَ ۝ (ان نمازیوں کے لئے خرابی ہے جو اپنی نماز سے غفلت برتتے ہیں) جیسے تہدید آمیز الفاظ فرمائے ہیں اس غفلت شعاری کی دو ہی وجہ ہو سکتی ہیں، یا تو ان آیتوں میں تدبر وتفکر نہ کرنا یا ان کے قلوب معاصی ونافرمانی کے قفل سے مقفل ہیں جس کی وجہ سے ان کے قلوب قرآن کی تاثیر غیر منفکہ سے عاری رہ جاتے ہیں بلکہ میں کہونگا کہ ان کے عدم تدبر کے باعث قرآن کی تاثیر لازمہ ان پر ظاہر نہیں ہوتی ہے نیز یہ آیت (ایاک نعبد وایاک نستعین) غایت درجے کے صبر اور توکل کی طرف رہنمائی کر رہی ہے اور زبان حال سے بتلا رہی ہے کہ اگر کوئی شخص اپنی ضروریات سوا خدا کے دوسروں کے آگے نہ پیش کرے تو اس کو کسی قسم کے نقصان وخسارہ سے دوچار ہونا نہیں پڑیگا بلکہ اس کے حوائج ومقاصد میں رب العزت کا ہاتھ ہوگا جو اس کو فائز المرام کر دے گا جیسا کہ پروانۂ شمع رسالت نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک پر سوال نہ کرنے پر بیعت کی تھی چنانچہ ان لوگوں نے اس عہد کو نہایت صبر وسکون کے ساتھ پورا کیا حتی کہ اگر کسی کا کوڑا گھوڑے سے گر جاتا تھا تو خود اتر کے اٹھا لیتے تھے اور اس کے اٹھانے کے لئے کسی سے سوال نہیں کرتے تھے۔ پھر فرمایا گیا اهدنا الصراط المستقيم (یعنی ہمیں سیدھے راستہ کی ہدایت کر) یہ آیت اس سورہ کے تمام اجزا میں اہتم بالشان جزء ہے کیونکہ ہر ایک انسان اپنے ہر ایک امر میں عام ازیں کہ امور دنیوی سے ہو یا اخروی سے اس چیز کے طلب کرنے پر محتاج ومفتقر ہے جو اس آیت کے اندر مذکور ہے یعنی صراط مستقیم کا طلب کرنا بلکہ ایسی چیز ہے کہ جو لوگ ہدایت یافتہ اور صراط مستقیم پر گامزن اور شمع ہدایت سے مستفید ہو رہے ہیں وہ اس سوال (اهدنا الصراط المستقيم) کے بار بار کرنے سے مستغنی نہیں ہو سکتے اسی کیطرف اشارہ کرتے ہوئے اللہ جل وعلی فرماتا ہے وَالَّذِينَ اهْتَدَوْا زَادَهُمْ هُدًى (یعنی جو لوگ راہ ہدایت پر ہیں ان کی ہدایت اور زیادہ کرتا ہے۔ وَالَّذِينَ جَاهَدُوا فِينَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا (یعنی جن لوگوں نے میری معرفت کے حصول میں اپنی کوششیں صرف کیں ان کو ہم اپنے راستہ کی طرف ہدایت کریں گے یہاں پر ایک شبہ پیدا ہوتا ہے کہ نماز پڑھنے والے تو مسلمان ہی ہوتے ہیں اور ان کا اعتقاد جازم اور ایمان کامل ہوتا ہے کہ وہ جادۂ ہدایت پر ہیں حتیٰ کہ قرآن نے بھی ان کے ایمان کی تصدیق کی ہے چنانچہ فرمایا گیا ہے أُولَٰئِكَ عَلَىٰ هُدًى مِّن رَّبِّهِمْ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ۝ یعنی وہ لوگ اپنے رب کی ہدایت پر ہیں اور انہی لوگوں کے سر پر کامیابی وفوز مرامی کا سہرا ہے لیکن باوجود اس کے وہ لوگ ہمیشہ اس دعا (طلب ہدایت) کو

اپنی زبان پر جاری رکھتے ہیں اور اس نعمت عظمیٰ کا سوال دربار خداوندی میں کرتے رہتے ہیں تو اس کا جواب یہ ہے کہ استمرار سوال کی دو وجہیں ہو سکتی ہیں ایک تو زیادتی ہدایت و ترقی درجات اور دوسرے اس ہدایت پر استقامت و دوام کا طلب کرنا مقصود ہوتا ہے اسی غرض کے ماتحت ہدایت یافتہ لوگ بھی طلب ہدایت کی دعا کرتے رہتے ہیں علاوہ اس کے ہدایت کوئی شئی بسیط یا کسی عمل و عقیدہ کا نام نہیں ہے کہ صرف اسلام میں داخل ہونے کے بعد اس کی ضرورت منتفی ہو جائے بلکہ ہدایت کا مرتبہ تو وہ ہے کہ جسکا ادراک ہر آدمی نہیں کر سکتا بلکہ اس کی معرفت تو اس شخص کو حاصل ہوتی ہے کہ جس کے قلب کو خدائے تعالیٰ اپنے نور معرفت سے معمور کر دے اور اس کے سینے کی کھڑکیوں کو اپنی معرفت کی طرف کما حقہ کھول دے یہی وجہ ہے کہ جب سالک ان بشارات و کرامات کو پہچان لیتا ہے جو طریقہ ہدایت پر قدرت کی طرف سے ودیعت رکھے گئے ہیں تو اس کی زبان سے ہر لمحہ و ہر لحظہ دعائے ہدایت نکلتی رہتی ہے بلکہ قدم قدم پر اھدنا الصراط المستقیم کی تلاوت کرتا رہتا ہے تاکہ اس کے قدم وادی ضلالت و بیابان گمراہی میں نہ پڑ جائیں سب سے بڑھکر خوبی اس آیت میں یہ ہے کہ اس دعا (اھدنا الصراط المستقیم) کو ہر قسم کے عقائد رکھنے والے اور ہر ایک مذہب و ملت کے پیرو عام ازیں کہ یہودی ہو یا نصرانی مجوسی ہو یا وثنی ملاحدہ و زنادقہ ہو یا دھریہ سب کے سب یکساں طور پر کر سکتے ہیں کیونکہ صراط مستقیم (سیدھا راستہ) ہر متبع و متلاشی کے لئے گوہر نایاب و جواہر گمشدہ ہے اگر اس کا طالب وہ شخص ہے کہ جس کا قدم جادہ ہدایت پر ہے تو اس کا قدم اس جادہ ہدایت سے کبھی نہیں پھسلیگا اور اس پر ہمیشہ قائم رہیگا اور اگر اس کا متلاشی وہ شخص ہے کہ جس کا قدم دشت گمراہی میں پڑا ہوا ہو تو انشاء اللہ اس کی رہنمائی سیدھے راستہ کی طرف ہو جائیگی اور یہ وہ دریے بہا ہے کہ اس کا سوال ہر شخص کر سکتا ہے عام ازیں کہ اس پر یقین رکھنے والا ہو یا اس پر شک کرنے والا اور اس کا منکر ہو یا معترض کیونکہ اس آیت میں ایسی چیز کا مطالبہ نہیں کیا گیا ہے کہ جس کو منکرین اسلام برا تصور کرتے ہوں یعنی اھدنا الاسلام یا اھدنا دین محمد نہیں کہا گیا بلکہ اھدنا الصراط المستقیم فرمایا گیا ہے اور استقامت کے علاوہ کسی دوسری قید کے ساتھ مقید اور کسی دیگر شرط کے ساتھ مشروط نہیں کیا گیا تاکہ ہر وہ شخص جو اس سے استفادہ حاصل کرنا چاہے کر سکتا ہے پھر اس صراط مستقیم کی وضاحت اور انکشاف کرتے ہوئے فرمایا صراط الذین انعمت علیھم غیر المغضوب علیھم ولا الضالین یعنی ہماری ہدایت ان لوگوں کے راستہ کی طرف کر کہ جن پر تو نے اپنا انعام اکرام کیا تھا اور ان لوگوں کے راستہ کی طرف ہدایت نہ کر کہ جن پر تو غصہ ہوا اور نہ ان لوگوں کے راستہ کی جانب کہ جو لوگ گمراہ و بے دین ہیں اس آیت میں بہت بڑی خوبی و بہترین راز یہ ہے کہ صراط کو کسی خاص آدمی کی طرف اضافت کر کے یوں نہیں کہا گیا کہ صراط محمد و صراط ابی بکرؓ و صراط عمرؓ و صراط المسلمین بلکہ فرمایا صراط الذین انعمت علیھم (ان لوگوں کا راستہ کہ جن پر تو نے انعام کیا ہے) جو تمام منعم علیھم کو شامل ہے عام اس سے کہ وہ کسی سرزمین کا رہنے والا ہو جس نے زمانہ میں رہا ہو اور کسی قوم و قبیلے سے تعلق رکھتا ہو پھر اللہ تعالیٰ اس آیت (صراط الذین انعمت علیھم) کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا غیر المغضوب علیھم ولا الضالین ۝ (وہ لوگ کہ جن پر خدا کا غضب نازل ہوا ہے اور وہ لوگ جو گمراہ ہیں) اور کسی خاص فرقہ یا مخصوص جماعت کا نام نہیں لیا گیا تاکہ یہ آیت ہر اُس شخص پر صادق آئے جو اس صفت مغضوبیت

وضلالت کے ساتھ متصف ہو خواہ کسی جماعت اور کسی مذہب سے تعلق رکھتا ہو۔ الغرض یہ سورہ اپنی آغوش میں دعا وسوال طلب استعانت وطلب رشد وہدایت کے ایسے زرین پہلو کو لئے ہوئے ہے کہ جس کی طرف بنی نوع انسان اپنے ہر گوشہ زندگی میں محتاج و مفتقر ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس سورہ کی تلاوت ہر نماز کی ہر رکعت میں واجب قرار دی گئی ہے تاکہ مسلمانوں کی زبانیں ہمیشہ اس کے ذکر سے لطف اندوز ہوتی رہیں اسی سورہ کا نام ام القرآن بھی ہے جس سے اس بات کیطرف اشارہ ہے کہ اس میں وہ کل امور و مواد اجمالاً ودیعت رکھے گئے ہیں جن کی تفصیل اور تمام سورتوں میں کی جائیگی گرچہ انسانی دماغ اس کو کما ینبغی سمجھنے سے قاصر و عاجز ہے کیونکہ ام کہتے ہیں اصل شی کو اور اصل وہی چیز ہوتی ہے جس میں اس چیز کے تمام امور و مواد اجمالاً پائے جائیں جس کی وہ اصل ہے چنانچہ ہر وہ شخص جو تعلیم قرآن کے اصول اور اس کی باریکیوں کو دقیق نظر سے دیکھیگا تو اس حقیقت کو معلوم کر لیگا کہ تمام قرآن شریف میں انھیں امور کی تفصیل ہے جو سورہ فاتحہ میں اجمالاً مذکور ہیں کیونکہ تمام قرآن میں قصص کے علاوہ توحید جزا و سزا رسالت اور دین حق سے بحث کی گئی ہے چنانچہ توحید اور جزا و سزا کی طرف مالک یوم الدین سے اشارہ کیا گیا ہے اور رسالت پر انعمت علیہم سے روشنی ڈالی گئی ہے اسلئے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی منعم علیہم میں داخل ہیں اور صراط مستقیم سے دین حق کو ثابت کیا گیا ہے جب یہ معلوم ہو گیا کہ اس میں بڑے بڑے امور مہمہ موجود ہیں اور اُسے ایسے خوش اسلوبی کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے جو کسی مذہب کے ماننے والوں کے طبائع کے خلاف نہیں ہے تو میں تمام فرقوں اور سارے ادیان و مختلف العقائد و افکار والوں کو عام ازیں کہ یہودی ہوں یا نصرانی ملاحدہ ہوں یا معطلہ مشرک ہوں یا بدعتی دعوت دیتا ہوں کہ کم سے کم اس سورہ کی تلاوت میں ہمارے شریک ہو جائیں تو یقیناً کامیابی و فوز و فلاح ان کے قدموں کا بوسہ لیں گے اور عروج و ترقی ان کی پیشوائی کے لئے اٹھیں گے۔ خاکسار نے ترجمہ کرنے میں اس بات کی کوشش کی ہے کہ ترجمہ سلیس ہو اور اصل مطلب فوت نہ ہو جائے بعض بعض جگہ میں نے اپنے جذبات کی مدد سے اضافہ کیا ہے تاکہ مطالب اچھی طرح ظاہر ہو جائیں اور کوئی زاویہ مفہوم پوشیدہ نہ رہے۔ فقط

امام دار الہجرۃ مالک بن انس رضی اللہ عنہ

مولوی عبد الجلیل صاحب بستوی متعلم دار الحدیث رحمانیہ

الحمد للہ نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم وعلی آلہ واصحابہ الذین شادوا الدین۔ اما بعد ناظرین محدث کی ضیافت آج جس تحفہ سے کی جاتی ہے اس کی شان میں ادنیٰ تغیر کے ساتھ صرف یہ کہدینا کافی ہوگا؟ ؎

مضت الدھور وما اتین بمثلھا ＋ ولقد اتت فعجزن عن نظرائھا

امام مالکؒ کے مناقب و مکارم محاسن و محامد کے بحر بے پایاں اور اپنی بے بضاعتی اور کم مائگی کے دیکھتے ہی یہ شعر زبان پر